Date of Publication: 09-01-2013

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 10-11 Jan. 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 January 2013
Issue: 3, Vol.: 2

۱۵ تا ۲۱ جنوری ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر: ۳، جلد نمبر: ۷۲

اردو کی لسانی اہمیت

راکیش گپتا
سابق پروفیسر سینٹر فار پولیٹیکل اسٹڈیز
جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی

سیموئل جانسن نے بوس ویل سے کہا تھا: "مجھے ہمیشہ افسوس ہوتا ہے جب کوئی زبان فنا ہو جاتی ہے کیوں کہ زبانیں قوموں کا ورثہ ہوتی ہیں"۔ زبانوں کے سیاق و سباق میں پنڈت نہرو کے خیالات بھی خاصے فکر انگیز ہیں۔ اردو کے ضمن میں انھوں نے ایک مرتبہ کہا تھا: "اردو ایک فعال زبان ہے... ہندی اپنی فطری ذہانت اور پہچان برقرار رکھتے ہوئے اردو سے قوت حیات حاصل کرے گی۔ اردو زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے اور یہ بے وجہ نہیں ہے۔ میں آپ کو اس کی وجہ بھی بتاؤں گا۔ اردو کے اندر اخذ و قبول کرنے اور دوسری زبانوں سے استفادہ کرنے کی زبردست صلاحیت ہے۔ ہرچند کہ اس میں کچھ الفاظ فارسی، عربی اور ترکی زبانوں سے لیے گئے مگر بنیادی طور پر اردو خود ایک Amalgam یعنی مختلف زبانوں کا مرکب ہے۔ اس میں تقریباً 75-80 فیصد الفاظ ہندی سے اور تقریباً 25 فیصد الفاظ دیگر زبانوں کے ہیں"۔

مجھے اس امر کے اعتراف میں تامل نہیں کہ معاصر اردو زبان و تعلیم کے مسائل کے موضوع پر اظہار خیال کے لیے مجھے ماہرانہ قدرت حاصل نہیں ہے، بجز اس کے کہ میں بھی اس زبان کے بولنے والوں میں سے ہوں جسے ہم ہندستانی کہتے ہیں اور جو اردو اور ہندی کی ملواں شکل ہے۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق ہندستان کی کل آبادی کا 35.7 فیصد یعنی ایک تہائی حصہ ہندستان کے شمال اور وسطی حصے میں مرتکز تھا اور ان کی زبان ہندستانی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ہندستانی بولنے والوں کے اعداد و شمار میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مردم شماری کے طریقے ناقص ہیں اور بحیثیت ایک زبان اردو کے خلاف سیاسی پروپیگنڈہ بھی جاری ہے جب کہ ہندستانی، اردو کے بغیر جس کا کوئی تصور ممکن نہیں، آج بھی ایک عوامی زبان ہے۔ سیاسی اور لسانی سطح پر ہندستانی کو ہندی میں مدغم کرنے کی کوئی کوشش اس کی عوامی حیثیت کو کمزور نہیں کرسکتی اور کسی زبان کی اصل طاقت اس کی عوامی مقبولیت ہی ہوتی ہے۔

ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ ترکی لفظ اوردہ (Ordh) اپنے لسانی شجرۂ نسب (Lineage) میں اردو لشکری چھاؤنی کی زبان کا لفظ ہے۔ اٹھارہویں صدی میں میر تقی میر نے اس زبان کی آرائش پر اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔ عوامی بول چال کی زبان کے طور پر دیگر زبانوں کے اختلاط سے اردو کا ارتقا عوامی زبان ہی کے طور پر ہوا۔ یہ اس زبان کی قوت ہے کہ اس نے مختلف مذہبی اور علاقائی اثرات کو اپنے اندر اس طرح جذب کیا کہ مذہبی عصبیت سے بالا ہو کر یہ دلوں کو جوڑنے کا وسیلہ بن گئی جسے جدید ہندستان میں بجا طور پر سیکولرزم کی علامت تصور کیا گیا۔ آج یہ زبان جموں و کشمیر، پنجاب، ہریانہ سے بہار، مہاراشٹر سے آندھرا، کرناٹک، تامل ناڈو اور کیرل کے دور دراز علاقوں تک عوامی رابطے کی زبان بن چکی ہے۔ مگر عوامی زبان کے طور پر اردو کا لہجہ ہر جگہ کے ہندستانی اثرات کے تابع تبدیل ہوتا ہے۔ دیگر زبانوں سے کسب فیض کرنے میں اردو نے جس وسعت قلب کا مظاہرہ کیا ہے اس کی دوسری کوئی مثال شمالی ہند کی لسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہندستان ہی میں نہیں بلکہ یورپی زبانوں کے ساتھ بھی اردو کا معاملہ دلچسپ اور مثالی ہے۔ انگریزی کے ساتھ اردو کے رشتوں کا تو پنڈت نہرو تک نے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اپنی بات کو مزید وضاحت سے عرض کرنے کی خاطر میں ایک مرتبہ پھر اردو اور ہندستانی کے رشتوں کی طرف مراجعت کروں گا۔ لفظ نرم، حلوا، سبزی، لڈو، بازار، بارش، روزگار، بے روزگاری، بے کار، بے کاری، مہربان، مہربانی، یہ ایسے مشترک الفاظ ہیں کہ اگرچہ ان میں سے کچھ عربی فارسی ہوں بھی تو بھی اردو میں ان کی شکل تبدیل ہو کر خالص ہندستانی بن گئی ہے اور اردو کے ساتھ عام ہندستانی کا وہی رشتہ ہے جو بجلی اور پانی کا۔ زبانیں بہ شمول اردو اور ہندی، سرکاری سرپرستی سے واقعتاً زیادہ متاثر نہیں ہوتیں۔ زبان کا اصل رول ترسیل میڈیم کا ہے۔ اردو کی لسانی حیثیت اتنی مستحکم ہے کہ ضرورت پڑنے پر بہ آواز بلند یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کہ اردو کو ہندستان کی اہم ترین مشترک زبان کی سند دی جائے۔

سیاسی محاورے میں ہم کہتے تو رہے ہیں کہ اردو اس ملک میں سیکولرزم کی علامت ہے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ تقسیم کے بعد ہمارے ذہنوں میں کہیں نہ کہیں یہ خیال ضرور جاگزیں تھا کہ اردو کا دو قومی نظریے سے کچھ رشتہ ہے یا مسلمانوں کے تشخص کی آئینہ دار ہے۔ ہمارے اس رویے نے ہی اردو کو مسلمانوں تک محدود کر دیا۔ اس سے اردو کا کم، ملک کا نقصان زیادہ ہوا۔ بعض لوگوں نے یہ گمراہ کن مشورہ بھی دیا کہ اردو کا رسم خط تبدیل کر دیا جائے۔ بعض گمراہ ذہنوں میں یہ تصور بھی موجود ہے کہ ہندستانی کا تو رسم خط دیوناگری ہونا چاہیے۔ شاید اس امر کی مسلسل یاد دہانی کرانے کی ضرورت ہے کہ گاندھی جی نے جس ہندستانی کا مشورہ دیا تھا اس کو واضح طور پر اردو اور دیوناگری دونوں رسم خط میں ہندستان کی قومی زبان ہونا تھا۔ بدقسمتی سے گاندھی جی کے نظریات اور آخرش سیاسی طور پر خود گاندھی جی ہی پسپا ہو گئے اور انھوں نے آزادی کے بعد خود کو اس ہندستانی کی وکالت کرنے سے قاصر پایا جو ہندستان میں واقعتاً لسانی تنازعات کا سد باب کر سکتی تھی۔

آزادی کے بعد سے ہندستان کی لسانی صورت حال میں مسلسل تبدیلی رونما ہوتی رہی ہے۔ حالاں کہ آزادی سے پہلے بھی مستقل بالذات زبانوں کے طور پر اردو اور ہندی مختلف سمتوں میں سفر کرتی رہی تھیں مگر آزادی کے بعد جو صورت حال پیدا ہوئی اس کے نتیجے میں سرکاری استعمال کی زبان کی حیثیت سے اردو معدوم ہو گئی حالاں کہ اپنی لسانی قوت کے بوتے پر عوامی زبان کے طور پر مسلسل ترقی کی راہوں پر گامزن رہی۔ حالات کے جبر نے اردو کو مسلمانوں کی زبان تو بنا دیا مگر شمال میں خود مسلمانوں کی نئی نسل بھی اس زبان کے رسم خط سے واقف نہیں۔ مجھے ایک پولیس اسٹیشن میں FIR درج کرانے کا اتفاق ہوا، ایف آئی آر کو اردو میں درج تو ادھیڑ عمر کے سنتری نے کیا مگر جب انھوں نے اپنے ایک نوجوان مسلم ماتحت عہدیدار سے اس کی ایک نقل بنا کر مجھے

انجمن ترقی اردو (ہند) کے مختلف شعبوں اور اشخاص کی ای میل آئی ڈیز

انجمن ترقی اردو (ہند) کے مختلف شعبوں اور متعلقہ اشخاص کی نئی ای میل آئی ڈیز درج ذیل ہیں۔ محبان اردو اور خیر خواہان انجمن سے درخواست ہے کہ اب وہ انجمن کے مختلف شعبوں کے متعلقہ اشخاص سے اُن کے ای میل پتے پر ہی رابطہ کریں۔ پرانی ای میل آئی ڈی ساقط کر دی گئی ہے۔

- صدر (صدیق الرحمٰن قدوائی): president@anjumantaraqqiurduhind.org
- نائب صدور (سید شریف الحسن نقوی اور خلیق انجم): vicepresident@anjumantaraqqiurduhind.org
- جنرل سکریٹری (اطہر فاروقی): gen.secretary@anjumantaraqqiurduhind.org, ather.farouqui@anjumantaraqqiurduhind.org
- ہماری زبان: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
- بک ڈپو: bookdepot@anjumantaraqqiurduhind.org
- مدیر سہ ماہی 'اردو ادب' (اسلم پرویز): aslam.parvez@anjumantaraqqiurduhind.org
- اکاؤنٹ آفیسر (مظہر عباس نقوی): mazahr.naqvi@anjumantaraqqiurduhind.org
- ایڈمنسٹریٹو آفیسر (ثاقب صدیقی): saquib.siddiqui@anjumantaraqqiurduhind.org
- ایڈمنسٹریٹو آفیسر اور لائبریرین (شاہد خاں): shahid.khan@anjumantaraqqiurduhind.org
- انچارج بک ڈپو اور آرکائیوز (انیس احمد): anis.ahmed@anjumantaraqqiurduhind.org
- شریک مدیر 'ہماری زبان' (محمد عارف خان): arif.khan@anjumantaraqqiurduhind.org
- پی۔ اے۔ ٹو جنرل سکریٹری (جاوید رحمانی): jawaid.rahmani@anjumantaraqqiurduhind.org

دینے کو کہا تو اس نوجوان نے احتجاج کرتے ہوئے بتایا کہ وہ یہ کام کرنے سے قاصر ہے کیوں کہ وہ اردو رسم خط نہیں جانتا۔ یہ واقعہ کہیں اور نہیں مرکزی حکومت کے دارالخلافہ دہلی میں ہوا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ملک کے باقی علاقوں میں پولیس اسٹیشن اور دیگر دفاتر میں روزمرہ کے کام کے لیے اردو کے استعمال کی اجازت ہے یا نہیں۔ اگر اردو کا استعمال عام نہیں ہے تو پھر ان کو روزگار کیسے ملے گا جو اردو پڑھتے ہیں۔ اردو کا زوال اور اردو سے واقف حضرات کو نوکریوں میں ترجیح نہ ملنا تشویش ناک ہے۔

آزادی کے بعد دہلی پبلک سائن بورڈز (Delhi Public Sign Boards) چار زبانوں انگریزی، اردو، ہندی اور گورمکھی میں لکھے جاتے تھے لیکن اب یا تو اس پر عمل نہیں ہوتا یا پھر غلط اردو درج ہوتی ہے۔ ایک اہم قومی زبان کی حیثیت سے اور رابطے کی زبان کے طور پر اردو کا استعمال ان علاقوں میں ہونا ہی چاہیے جہاں اردو آبادی کا قابل ذکر تناسب موجود ہے یا جو ہندستانی کے علاقے ہیں۔ جن لوگوں کو اردو رسم خط سے دل چسپی ہے ان کے لیے یہ سہولیات مہیا ہونی چاہئیں کہ وہ اسے بغیر کسی دشواری کے سیکھ سکیں۔ رضاکارانہ کوششیں اچھی بات ہے مگر ہندستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے اردو والوں کو اپنی زبان میں حکومت کے وسائل سے تعلیم حاصل کرنے کا جو آئینی حق ہے اس پر زیادہ سے زیادہ عمل ہونا چاہیے۔ آج اردو کے حالات جتنے خراب ہیں اتنے شاید پہلے کبھی نہ تھے۔ ہندو ہی نہیں عیسائی بھی اس زبان کو سیکھتے تھے، سکھ اور دیگر پنجابی تو اسے اپنی ہی زبان تصور کرتے تھے۔ یاد ش بخیر پانچویں دہے کے آغاز میں میرے والد کی مکان مالکہ مسز سائنت رام نے جو ایک عیسائی خاتون تھیں، مجھے یہ رسم خط سکھایا تھا مگر آج بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو عوامی زندگی میں اردو کا استعمال معدوم ہونے کے سبب اردو رسم خط سے تقریباً ناواقف ہو گئے ہیں۔ فرقہ وارانہ تعصب کی کارفرمائی کے باوجود اردو اور اردو تہذیب کے دل دادہ لوگوں کی کمی نہیں۔ یہ بدقسمتی ہی ہے کہ ہندوؤں میں جو لوگ آج بھی اردو سے واقف ہیں وہ زندگی میں شام کی منڈیر پر کھڑے ہیں اور عام ہندو کے درمیان یہ تاثر عام ہے کہ اگر کسی نے اچکن یا شیروانی زیب تن کی ہوئی ہے تو وہ مسلمان ہی ہوگا۔ اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہوا کہ ہماری قومی پوشاک بھی فرقہ وارانہ ذہنیت کا نشانہ بن گئی ہے۔ عام ذہنوں میں فرقہ واریت کی کارفرمائی ہی کا یہ اعجاز ہے کہ جن فلموں کی زبان ہندستانی ہوتی ہے ان میں مقدس قرآن کی حفاظت کرنے والا ہیرو اکثریتی فرقے کا ہوتا ہے۔ شاید ہم نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا جو فارمولا تیار کیا ہے اس میں فرقہ واریت کے سوا کچھ اور شامل نہیں۔ کچھ برس پہلے تک فلموں میں لیڈز مختلف زبانوں میں دی جاتی تھی لیکن اب یہ عمل صرف انگریزی اور ہندی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ان کی خواہشات کے برخلاف انگلش متوسط طبقے کی نئی نسل کی زبان بن گئی ہے۔

اس امر پر بار بار افسوس کا اظہار کرنے کو جی چاہتا ہے کہ صرف ہندی کے تسلط کی حامی قوتوں نے جس خوب صورت اور عوامی زبان ہندستانی کو ختم کیا صرف اس میں اتنی لچک تھی کہ وہ ہندستانی تہذیب میں در آنے عدم توازن کا سد باب کر سکتی تھی۔ اردو کو کمزور کرنے کی کوشش کے نتیجے میں وہ زبانیں خود کمزور ہوئی ہیں جو اردو کی قوت کے بوتے پر اپنی توانائی میں اضافہ کر سکتی تھیں اور زبانوں کی یہ توانائی ایک جدید تہذیب و فکر کے ارتقا کی ضامن ہوتی۔ اردو کو ختم کرنے کی کوشش کے نتیجے میں جو فکر پروان چڑھی وہ کسی اثبات کا استعارہ نہیں جب کہ ارتقا پذیر تہذیبیں اثبات ہی سے عبارت ہوتی ہیں۔

ہندستان میں گزشتہ کچھ برسوں میں انگریزی کو ایک ایسی زبان کے طور پر بھی قبول کیا گیا جو باہم نبرد آزما تمام ہندستانی زبانوں کے بولنے والوں کے لیے قابل قبول ہے۔ یہ صورت حال بے حد خطرناک ہے مگر اس میں اس وقت تک کسی تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے جب تک تمام ہندستانی زبانیں ارتقا کی فطری راہ پر گامزن نہ ہوں، مگر یہ کام شروع اردو سے کرنا ہوگا جس میں زبان کے طور پر اور جس کے ادب میں معیار اور مثال کے غیر معمولی امکانات موجود ہیں۔ روس میں روسی کے علاوہ زبانوں کا جبراً رسم خط بدلنے کے عبرت ناک انجام سے ہم سب واقف ہیں۔ یہاں روسیوں نے تمام غیر روسی آبادیوں کے لیے رسم خط کو تبدیل کرنا چاہا اور ۱۹۸۰ء کے آخر میں گورباچوف (Gorbachev) نے صرف روسی زبان کو ان علاقوں میں رابطے کی واحد زبان بنانا چاہا تھا جو دوسری زبانوں کے علاقے تھے۔ نتیجہ روس کے منتشر شیرازے کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

اردو کے مفادات کو اب تک جس سیاسی چشمے سے دیکھا گیا اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ کانگریس اور کمیونسٹ پارٹیوں کا سیکولر مقام اس کے وجود کی بقا کے لیے جدوجہد کے باوجود ختم ہو رہا ہے۔ اردو کے حقوق کی جدوجہد ان ہی لوگوں کو کرنی ہوگی جو واقعتا سیکولرزم میں یقین رکھتے ہیں اور اردو والوں کو صحیح معنوں میں ان قوتوں سے تعاون کرنا ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ اردو والے اردو کو محض شعر و ادب کی زبان کے حصاروں سے نکال کر زندگی کے تمام شعبوں کی زبان بنائیں۔ قومی کونسل نے اردو کی حیثیت کو Common Civic Space کی زبان کے طور پر مستحکم کرنے کی کوشش میں جس نظریاتی بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے اس کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔

اس وقت اردو کو دو اہم خطرات درپیش ہیں جن کا فوری سد باب ضروری ہے۔ اول اردو تعلیم کے منتشر نظام کی شیرازہ بندی، دوم مسلم احیا پرستی سے اردو کو لاحق خطرات کی پیش بندی۔ مسلم اور ہندو ہر دو طرح کی احیا پرستی اردو کے وسیع تر تہذیبی افق اور اس کی منفرد شناخت کو ختم کر دینا چاہتی ہے۔ سیکولر تعلیمی نظام سے اردو کا اخراج اردو کے ثقافتی افق کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اردو کی تہذیبی میراث سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ ذہنوں کو منور کرنے کی ضرورت ہے۔ میں اردو رسم خط کی تبدیلی کا سخت مخالف ہوں مگر اردو شہ پاروں کے ترجمے کی واشگاف الفاظ میں حمایت کرنا چاہتا ہوں۔ اردو ادب جن کاروباری لوگوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے وہ اردو کے لیے احیا پرستی سے بھی بڑا خطرہ ہیں۔ اردو اور ہندی ادب کے درمیان اگر ترجمے کی روایت ختم ہوگی تو دونوں زبانوں کے ادب میں گھٹن کی جو کیفیت ہوگی اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اردو اور ہندی ایک دوسرے سے جتنا استفادہ کر سکتی ہیں وہ کسی اور وسیلے سے دونوں ہی کے لیے ناممکن ہے۔

اردو لسانی اقلیت کے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا آئینی حق ملنا ہی چاہیے۔ اس کے علاوہ جو بچے اردو زبان کا مطالعہ ایک اختیاری مضمون کے طور پر کرنا چاہتے ہیں، انھیں اس کا حق بھی ہونا چاہیے۔ بہ حالات موجودہ شمالی ہند کے سیکولر نظام تعلیم میں اردو کے مطالعے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس صورت حال کو جلد از جلد تبدیل ہونا چاہیے ورنہ مستقبل میں معاشرتی اور معاشی سطح پر جو مسئلے پیدا ہوں گے اس کا سد باب شاید کسی کے لیے ممکن نہ ہو۔ جب تک ہندستان کی تمام قومی زبانوں کو ان کے حقوق نہیں ملیں گے انگریزی کی اجارہ داری ختم ہو نہیں سکتی، سیاسی نعرے، خواہ کچھ ہوں۔ ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ آئین کی رو سے اردو بھی ہماری قومی زبان ہے۔

اردو کو روزگار سے وابستہ کرنے کی بات ہمیشہ کی جاتی ہے مگر جب تک زبانوں کے تئیں ہماری قومی پالیسی میں تبدیلی نہیں آئے گی اردو تو کیا ہندی کے لیے بھی اس طرح روزگار سے وابستہ ہونا ممکن نہیں جو انگریزی کا امتیاز ہے۔ لوگ سودیشی کے نعرے لگاتے ہیں وہ بھی اس امر کو فراموش کر دیتے ہیں کہ سودیشی میں اردو کو شامل کیے بغیر اس تحریک کا کامیاب ہونا ممکن نہیں۔ کسی بھی جمہوری نظام میں کسی لسانی اقلیت کے تعاون کے بغیر کسی تحریک کا کامیاب ہونا ممکن ہی نہیں۔

دکنی علاقے کے بڑے حصوں نے اپنی علاقائی زبانوں کو فخر و مباہات کے ساتھ اپنایا ہے۔ یہی طبقات شہروں میں جب متوسط طبقات کا جز بن جاتے ہیں تو صبح چلتے ہی انگریزی کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔ ان طبقات کی تہذیبی شناخت ان کی اپنی زبانوں کے حوالے ہی سے ہے۔ شمالی ہند کی متعدد اہم زبانیں مثلاً اودھی، مگدھی، بھوج پوری، میتھلی وغیرہ خصوصاً اپنی علاحدہ شناخت پر مصر ہیں۔ انگریزی کی جانب مائل متوسط طبقے

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

دوسری اور آخری قسط

نظیر اکبرآبادی: نئی شعریات اور قدرِ ثانی

پروفیسر کرامت علی کرامت (رحمت علی بلڈنگ، دیوان بازار، کٹک-753001)

اب آیئے نظیر کی جولاں گاہِ وسعتِ معنی کی سیر کریں۔ موصوف کی مشہور نظم 'بنجارہ نامہ' کا پہلا بند ملاحظہ فرمایئے:

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گوئیں پلا سر بھارا
کیا گیہوں چاول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

بے ثباتیٔ حیات ہر انسان کو زندگی بھر مضطرب اور مضطرب رکھتی ہے، چاہے وہ شاعر ہو یا نہ ہو۔ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کب تک اس گلزارِ ہست و بود کے ساتھ ہماری وابستگی رہے گی؟ ہمارے جانے کے بعد اس گلشن کا حال کیا ہوگا جس کی آبیاری ہم نے خونِ جگر سے کی ہے؟ اس قسم کے سوالات ہیں جن کا ذہن میں بار بار ابھرنا عین فطرتِ بشری میں داخل ہے۔ چوں کہ شاعر نہایت حساس فرد ہوتا ہے، اس لیے ہر شاعر کے یہاں ایسے سوالات سے وابستہ خیالات و جذبات کا کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی انداز سے اظہار ہوتا ہے (چاہے اس شاعر کا تعلق کسی بھی زبان یا کسی بھی خطے سے ہو)۔ لہٰذا انگریزی شاعر شرلے نے کہا ہے:

Scepter and crown
Must tumble down
And in the dust be equal
made
With the poor crook'd
scythe and spade
(Shirley)

نظیر اکبرآبادی کی مذکورہ نظم میں بھی اسی قسم کی محرومی، بے چارگی اور بے بسی کی عکاسی ہوئی ہے۔ انھوں نے اپنی پوری طویل نظم میں جو بات کہنی چاہی ہے اسے غالب نے اپنے صرف ایک شعر میں ادا کر دیا ہے:

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

اس شعر کی کامیابی اور اثر آفرینی کے لیے غالب کی کاملیت تو ذمہ دار ہے ہی، لیکن یہ صنفِ غزل کا بھی کمال ہے کہ اس کا ایجاز و اختصار بڑے سے بڑے وسیع و عریض موضوعات، تجربات حیات اور واردات قلبی کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کرنا چاہیے کہ راقم الحروف کسی ایک صنفِ سخن کو کسی دوسری صنفِ سخن پر فوقیت دینے کا قائل ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ راقم کا عقیدہ ہے کہ ہر صنفِ سخن کو اس کے اپنے دائرۂ عمل میں رکھ کر ہی دیکھنا اور پرکھنا چاہیے اور اس طرح فن پارے سے جمالیاتی حظ اخذ کرنا چاہیے۔

نظیر اکبرآبادی کو جزئیات نگاری میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ آس پاس کی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ان کی نظر گہری تھی، لہٰذا جزئیات کے ذکر سے وہ اپنی نظموں کو آگے بڑھاتے جاتے ہیں، جس کی بنا پر ان کا انداز محض بیانیہ (Descriptive) معلوم ہوتا ہے۔ نیز ان میں تشبیہات، استعارات، پیکر تراشی جیسی شاعری کی بنیادی ضروریات کا بظاہر فقدان نظر آتا ہے۔ پھر بھی ان کی بے مثال باریک بینی، جزئیات نگاری اور خیالات کی بے پناہ روانی کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے ایسی چلتی پھرتی تصویر کھنچ جاتی ہے جسے شیلی نے محاکات اور ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے تلازماتِ معروضیہ (Objective Correlatives) کی خصوصیات سے منسوب کیا ہے۔

نظیر نے اپنی نظموں میں بہت سے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو ان کے اپنے زمانے میں تو مستعمل تھے، لیکن اب متروک ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں نظیر بہ وقتِ ضرورت ایسے ایسے الفاظ و تراکیب گڑھ لیتے ہیں جو بیک وقت تحیر بھی کرتے ہیں اور سکتے میں بھی ڈال دیتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ اس بیراگی شاعر میں لفظوں سے کھیلنے، انھیں توڑنے پھوڑنے اور تراش خراش کرنے کی کتنی خداداد صلاحیت موجود تھی۔ نظم 'پری کا سراپا' کا یہ بند ملاحظہ فرمایئے:

[illegible] ... ویسی ہی
[illegible] ... ویسی ہی
[illegible] ... ویسی ہی
[illegible] ... ویسی ہی
[illegible] ... ویسی ہی
اس نظم میں سینوں کی لگاوٹ [illegible]

بلاوٹ، دھڑیوں کی جماوٹ، جھمکوں کی چھلاوٹ، ٹھوکر کی لگاوٹ، عشقوں کی اڑاوٹ، جوبن کی دکھاوٹ، رنگوں کی گھلاوٹ، رخ و رنج کی سجاوٹ، موتیوں کی جھمکاوٹ جیسی ترکیبوں کے استعمال سے ہمارے ذہن میں ایک چلتی پھرتی تصویر ابھرتی ہے جس کی وجہ سے نظم میں محاکات کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور نظم کا صوتی آہنگ ہمیں ایک خواب و خیال کی جنت میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ خوبی اردو کے کسی بھی دوسرے شاعر کی نظموں میں پائی نہیں جاتی۔

نظیر اکبرآبادی کے دور (یعنی ۱۷۳۵ء تا ۱۸۳۰ء کے عرصے) کو کھڑی بولی کی لسانی تشکیل کا دور کہا جا سکتا ہے۔ یہ عرصہ ہندی کے 'ریتی کال' کا زمانہ ہے جس میں ہندی کی تمام شاعری برج بھاشا میں کی جاتی تھی اور کھڑی بولی کو ناقابلِ اعتنا سمجھا جاتا تھا۔ ایسے زمانے میں اردو کے شاعروں نے کھڑی بولی کو پنپنے کا موقع دیا اور فارسی کی شعری روایت کو کھڑی بولی میں داخل کر کے غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ جیسے اصنافِ سخن کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ نظیر نے میر کی طرح ایک لمبی عمر پائی۔ میر سے گیارہ سال چھوٹے تھے۔ چھ سال کے تھے کہ ولی اورنگ آبادی کا انتقال ہو گیا۔ پچاس سال کی عمر کے دوران انھوں نے سراج اورنگ آبادی، مظہر جان جاناں، سودا، درد سب کا دور دیکھا۔ ان کی عمر چھتیس سال کی تھی کہ میر کا انتقال ہو گیا۔ نظیر اکبرآبادی نے مصحفی اور انشا کی پیدائش بھی دیکھی اور ان کا انتقال بھی دیکھا۔ موصوف شاہ نصیر، بہادر شاہ ظفر، ناسخ، ممنون دہلوی، ذوق، غالب، مومن، انیس وغیرہ ان سب سے سینئر شاعر تھے۔ یہی دور کھڑی بولی کی تاریخ کا ایک اہم دور ہے۔ ولی دکنی (۱۶۶۷ء تا ۱۷۰۷ء) سے لے کر ناسخ (۱۷۷۲ء تا ۱۸۳۸ء) تک پہنچتے پہنچتے کھڑی بولی اردو کی شکل میں بالکل صاف ستھری اور با محاورہ بن گئی۔ ۱۸۰۳ء کے لگ بھگ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اردو نثر کو فروغ حاصل ہوا۔ اسی زمانے میں کلکتہ میں اردو پریس قائم کیا گیا۔ اردو کی ڈکشنری، اردو کی قواعد کی کتاب (رسالہ گلکرسٹ) اور انگریزی اردو ڈکشنری مرتب ہوئی۔

نظیر اکبرآبادی کے سابق شاعروں نے کھڑی بولی (اردو) میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب سے اپنی شاعری کو مزین کیا تو نظیر اکبرآبادی نے اپنے فن کی اساس لوک گیتوں اور عوامی بولیوں پر رکھی اور اپنی شاعری میں عوام کے تاثرات اور احساسات کی سچی ترجمانی کرتے رہے۔ اس طرح ان کی شاعری کی زبان ایک طرف ہندی کی 'ریتی کال' کی شعری زبان (یعنی برج بھاشا) سے الگ حیثیت رکھتی ہے تو دوسری جانب اس وقت کی اردو شعری روایت سے ہٹ کر عام فہم، فارسی و عربی تراکیب سے مبرّا ایک ایسی زبان پر مبنی ہے جو صحیح معنوں میں آج کی 'ہندستانی زبان' کہلانے کی مستحق ہے۔ نظیر کے فرہنگِ لفظیات میں اس زمانے کے پھلوں، جانوروں، مختلف کھیل تماشوں، میلوں ٹھیلوں، رسموں، رواجوں، کبوتر بازی، بلبلوں کی لڑائی اور عام آدمی کے آٹے دال کے بھاؤ جیسے موضوعات سے وابستہ الفاظ شامل ہیں۔ ایک طرف موصوف کی شاعری امیر خسرو، کبیر، نانک اور دیگر صوفی سنتوں کی روحانیت، وسیع المشربی اور انسان دوستی سے جڑی ہوئی ہے تو دوسری طرف عوام کے دکھ درد میں ہمیشہ شامل رہنے کی وجہ سے جمہوریت، سوشلزم اور کمیونزم کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس دور میں جب مارکس، اینگلس، گورکی جیسے اشتراکیت پسند مفکروں کا وجود ہی نہیں تھا، نظیر نے کوڑی نامہ، پیسہ نامہ، تلاشِ زر، روپیہ نامہ، روٹیاں، رچپاتی نامہ، پیٹ کے لیے، آٹا دال جیسی نظمیں لکھ کر ان تمام دانشوروں کے فکری رجحان کے پیش رو ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اشتراکی رجحان کی عمومیت و مقبولیت کے بعد بیسویں صدی کے مختلف زبانوں کے شعرا چاند اور سورج کو روٹی سے تشبیہ دینے لگے، لیکن اٹھارہویں صدی کے اس البیلے شاعر نے پہلے ہی کہہ دیا تھا:

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں
(نظم روٹیاں)

راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ عوامی مسائل سے وابستگی کے اعتبار سے ملکہ الیزابیتھ کے دور کا، دنیا کی کسی بھی زبان کا کوئی دوسرا شاعر نظیر اکبرآبادی کے مقابل کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ نظیر کا زمانہ انگلینڈ میں ملکہ الیزابیتھ کا زمانہ تھا جس میں وہاں کے metaphysical شاعروں کو عروج حاصل ہوا تھا۔

یوں تو نظیر اکبرآبادی نے غزلیں بھی کہی ہیں، میر، سراج، قدرت، فغاں، اصغر کی غزلوں پر تضمینیں بھی کی ہیں اور حافظ اور سعدی کے فارسی کلام پر اردو میں تضمین کر کے صنعتِ ذوالسانین کا تجربہ بھی انجام دیا ہے، لیکن وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ آدمی نامہ، بنجارہ نامہ، روٹیاں، فقیروں کی صدا، پیسہ نامہ، شب دیگ، بہاریں، ہولی وغیرہ موصوف کی شاہکار نظمیں ہیں۔ ان نظموں میں نظیر کا اپنا الگ تھلگ رنگ ہے جس کی شناخت بآسانی کی جا سکتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ موصوف کے پیشِ نظر پہلے سے نظم نگاری کی کوئی روایت نہیں تھی، کوئی ماڈل نہیں تھا۔ انھوں نے جو اسلوب اپنایا وہ ان کا اپنا دریافت شدہ تھا۔ ان کا اپنا جلایا ہوا چراغ تھا، مانگے کا اجالا نہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خود اردو زبان تشکیلی دور سے گزر رہی تھی اور اس

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

اردو ٹیچرس کی تقرری نہ ہونے سے کونسلر ناراض

نئی دہلی (یکم دسمبر)۔ مشرقی دہلی کارپوریشن کے شاہدرہ شمالی زون میں ہفتہ واری میٹنگ زون کے چیئرمین بجے سین کی صدارت میں منعقد کی گئی۔ اس موقع پر کونسلر نے اپنے وارڈ کے اسکولوں کے اہم مسائل کو پیش کیا۔ جنتا کالونی کے کونسلر محمد ذاکر، جعفرآباد کی کونسلر شکیلہ بیگم، مصطفیٰ آباد کی کونسلر پروین معروف، چوہان بانگر کی کونسلر اسمانے بھی اپنے وارڈ کے اسکولوں کے مسائل کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ کارپوریشن اسکولوں کی تعلیم میں اور بہتری لاتے ہوئے پرائمری کلاس سے ہی کمپیوٹر تعلیم کا نظم کیا جائے۔ کونسلروں نے کہا کہ تعلیم حاصل کرنے والے بچے آج بھی زمین پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے کو مجبور ہیں اور کئی اسکولوں میں انھوں نے دروازے اور کھڑکیاں نہ لگنے کی شکایت کی۔

تیمرہ وہار وارڈ کے کونسلر حاجی تاج محمد نے کہا کہ مشرقی کارپوریشن علاقے کے اسکولوں میں 681 اساتذہ کی تقرری کا عمل شروع کیا گیا ہے لیکن کسی بھی اسکول میں اردو اساتذہ کی تقرری نہیں کی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ضلع خصوصی اقلیتی ضلع کے طور پر بنایا گیا ہے اور اس ضلع میں درجنوں کالونیاں مسلم اکثریت کالونی ہیں، اس کے باوجود کارپوریشن اردو داں اردو کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کو نظرانداز کر رہا ہے۔ انھوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا کہ اس ضلع کے مختلف اسکولوں میں 100 اردو اساتذہ کی بھی تقرری ہونی تھی، آخر ان ٹیچروں کی تقرری کیوں نہیں کی گئی؟ میٹنگ میں ڈپٹی چیئرمین سوامی گپتا کے علاوہ ایجوکیشن محکمے کے تمام افسران موجود تھے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کونسلروں کی محنت کتنی رنگ لاتی ہے اور وہ اپنے اپنے علاقوں کے بچوں کے مستقبل کو کس قدر سنوارنے میں کامیاب ہوں گے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو امیدواروں کے ساتھ محکمہ تعلیم میں ناانصافی

پٹنہ (۲۸ دسمبر)۔ وزیر اعلیٰ بہار نتیش کمار ایک طرف اردو کے فروغ اور اردو کی ترقی کے لیے مختلف طرح کے منصوبے بنا کر اس پر عمل درآمد کی کوششیں کر رہے ہیں تو دوسری طرف ان کی حکومت کے بعض سرکاری افسران ان کی کوششوں پر پانی پھیر رہے، اردو اور اقلیتی طبقے کو وزیر اعلیٰ سے دور کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اسی سلسلے کا ایک معاملہ روشنی میں آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عربی فارسی ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ کو اردو ٹیچر کے تقرر میں شامل نہیں کیا گیا ہے بلکہ حد تو یہ کردی کہ کچھ ٹیچروں کو بحال کرنے کے بعد میں انھیں ہٹا دیا گیا۔ اس سلسلے میں سینئر سماجی کارکن جناب افسر امام نے وزیر اعلیٰ نتیش کمار، تعلیم کے وزیر پی کے شاہی اور اقلیتی فلاح کے وزیر جناب شاہد علی خاں کے علاوہ محکمہ تعلیم کے پرنسپل سکریٹری سے لے کر کئی دوسرے لوگوں کو خط لکھا ہے۔

واضح رہے کہ ادارہ تحقیقات عربی و فارسی کو بہار حکومت سے ۱۹۵۰ء میں منظوری ملی تھی۔ یہ ادارہ براہ راست بہار ایجوکیشن محکمہ کے تحت آتا ہے۔ اس کا سرٹیفکیٹ بھی اسی محکمے سے دیا جاتا ہے۔ اب تک پرائمری سے لے کر پلس ٹو تک عربی فارسی ٹیچر کے عہدے پر یہاں کے طلبہ کو تقرری ملتی تھی لیکن پہلی مرتبہ اس بار 34540 ٹیچرز کے تقرر میں ان لوگوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ اتفاق سے احمد رضا انصاری، محمد ضیاء الدین، محمد سرور عالم، عبداللطیف، محمد شبیر عالم، اعجاز احمد، محمد محسن عالم، محمد مسعود عالم، محمد اجمل نوری، محمد حبیب الرحمن، محمد ممنون عالم، محمد صادق انور اور محمد ذوالفقار علی کو تقرر نامہ دے کر انھیں سروس سے یہ کہتے ہوئے ہٹا دیا گیا کہ ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن سے ڈپلومہ کی ڈگری منظور نہیں ہے۔ حالاں کہ اس کی منظوری کا سرکاری گزٹ بھی موجود ہے۔ دوسری طرف ڈپارٹمنٹ نے محمد مسعود عالم، محمد شمیم اختر، محمد جنیدی اور اشرف امام کو بحال کیا ہے۔ ان لوگوں کو کوئی تقرر نامہ نہیں دیا گیا بلکہ ان سے جو طلب کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں تعلیم کے وزیر جناب پی کے شاہی، اقلیتی فلاح کے وزیر جناب شاہد علی خاں، محکمہ تعلیم کے پرنسپل سکریٹری اور محکمے کے ڈائرکٹر وغیرہ نے افسر امام کو یقین دلایا ہے کہ یہ معاملہ ٹھیک ہے کہ امیدواروں کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے، اس کا ازالہ جلدی کر دیا جائے گا لیکن اس وعدے کو بھی کافی دن گزر گئے ہیں۔ جناب افسر امام نے بتایا کہ یہ امیدوار ۱۹۹۵ء سے قبل کے بچے ہیں۔ ان پر کوئی قانون نافذ نہیں ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو پرائمری، مڈل، ہائی اور پلس ٹو اسکولوں میں تقرر ہونا چاہیے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

سرکاری اسکولوں میں اردو اساتذہ کا تقرر ہو

دھنباد (۳۰ دسمبر)۔ جھارکھنڈ ریاستی جے ڈی یو اقلیتی سیل کا کانفرنس ٹاؤن ہال، دھنباد میں منعقد ہوئی، جس میں جنتا دل یو کے قومی جنرل سکریٹری اور اقلیتی معاملوں کے انچارج مولانا غلام رسول بلیاوی، جے ڈی یو جھارکھنڈ کے ریاستی صدر جلیشور مہتو، جھارکھنڈ کے ایکسائز وزیر گوپال کرشن پاتر عرف راجہ پیٹر، سابق قانونی وزیر لال چند مہتو، سابق وزیر جلیشور مہتو، اقلیتی سیل کے ریاستی صدر حاجی حبیب خان و دیگر عہدیداران شامل تھے۔ پروگرام کی صدارت حبیب خان کر رہے تھے۔ انھوں نے عوام کے سامنے اقلیتی مسائل سے جڑے چودہ نکاتی مطالبے کو ایکسائز کے وزیر راجہ پیٹر کے ذریعے حکومت تک پہنچایا۔ مطالبے میں پرائمری، مڈل اور ہائی اسکولوں میں اردو اساتذہ کی بحالی کو یقینی بنانے، ہر ضلع میں اقلیتوں کے مسائل کے حل کے لیے اقلیتی سیل کی تشکیل کیے جانے، اقلیتوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کے واسطے بہار کی طرح علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کیمپس کا قیام کرنے، اقلیتی کمیشن کا قیام جلد کرنے اور مجاہد آزادی شیخ بھکاری کے نام سے ریاستی یونیورسٹی کا قیام جلد سے جلد کیے جانے کے مطالبے شامل ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

مدارس کے اساتذہ اور اردو کے مسائل پر

انجمن ترقی اردو بہار کی جانب سے وزیر تعلیم کو میمورنڈم

پٹنہ (۳۱ دسمبر)۔ عبدالقیوم انصاری (سکریٹری انجمن ترقی اردو بہار) نے ایک پریس بیان جاری کرکے بتایا کہ صوبہ بہار میں مدارس، مدارس کے اساتذہ اور اردو زبان کے چند مسائل کے حل کے سلسلے میں انجمن ترقی اردو بہار کے ایک وفد نے مرکزی وزیر تعلیم شری پلّم راجو سے ملاقات کرکے ایک میمورنڈم پیش کیا۔ اس میمورنڈم میں حسب ذیل مطالبات ہیں:

۱۔ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحقہ امداد یافتہ مدارس کے اساتذہ کو آج بھی چوتھی شرح تنخواہ دی جا رہی ہے جب کہ سرکاری اسکولوں کے اساتذہ کو ان ہی اوقات اور مساوی کام کے لیے چھٹی شرح تنخواہ ادا کی جا رہی ہے۔ لہٰذا مدارس کے اساتذہ کو بھی چھٹی شرح تنخواہ ادا کرنے کے لیے حکومت بہار کو ہدایت جاری کی جائے۔

۲۔ پورے ہندوستان میں کیندریہ ودیالیوں اور نودیہ ودیالیوں میں اردو اساتذہ کی تقرری نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے اردو طلبہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی سنسکرت پڑھنے کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا تمام کیندریہ ودیالیوں اور نودیہ ودیالیوں میں ایک ایک اردو استاد کی تقرری کے لیے حکم نامہ جاری کیا جائے۔

۳۔ صوبہ بہار کے مدارس میں مرکز کے ذریعے ایک ایک سائنس ٹیچر کی تقرری کی گئی تھی جنھیں پچھلے پانچ سالوں سے تنخواہ نہیں ادا کی گئی ہے۔ ان مدارس کے اساتذہ کے تنخواہ کی ادائیگی کے لیے مرکز سیدھے مدارس کے کھاتے کو فنڈ مہیا کرائے تاکہ ان اساتذہ کو وقت پر تنخواہ کی ادائیگی ہو سکے۔

۴۔ بہار کے منظور شدہ مدارس کی عمارت کی تعمیر کے لیے کوئی رقم ابھی تک جاری نہیں کی گئی ہے۔ لہٰذا آر۔ ایم۔ ایس۔ اے۔ اسکیم کے تحت ان مدارس کی عمارت کی تعمیر کے لیے فنڈ مہیا کرایا جائے۔

وزیر موصوف نے مندرجہ بالا مسائل کو بغور سنا اور فوری کارروائی کی یقین دہانی کرائی۔ انھیں بہار آنے کی دعوت دی گئی جسے قبول کرتے ہوئے انھوں نے جلد ہی بہار آنے کی بات کہی۔ انھوں نے بہار میں اساتذہ کی کمی کو محسوس کیا اور کہا کہ جلد از جلد بہار میں طلبہ کی تعداد کے مطابق پرائمری اور سکنڈری سطح کے اسکولوں میں اساتذہ کی تقرری کی جائے گی۔

(پریس ریلیز انجمن ترقی اردو بہار)

اردو کو اس کا جائز حق دیا جائے

الٰہ آباد (۱۹ دسمبر)۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن الٰہ آباد یونٹ نے سماجوادی پارٹی کے ممبر راجیہ سبھا چودھری منور سلیم کے اردو زبان کے حق میں صدائے احتجاج بلند کرنے کی ستائش کی ہے اور ان مطالبات کا خیرمقدم کیا ہے جس میں انھوں نے ایوان بالا میں ملک میں جنم اور پرورش پانے والی اردو زبان کو دوسری زبان کا درجہ دیتے ہوئے سرکاری امور میں استعمال کا مطالبہ کیا ہے اور اس کی ترقی کے لیے قومی کمیشن کی تشکیل نیز مرکزی سطح پر اسکولوں میں اردو زبان کی تدریس کا انتظام کرتے ہوئے سرکاری امور میں استعمال کا مطالبہ کیا ہے۔ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری مختیار یوسف ایڈوکیٹ نے اپنے بیان میں کہا کہ ہندوستان کے دستور 344 نے صدر جمہوریہ ہند کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ملک کی زبان کے لیے آئین کے نفاذ کے دس سال تک جب چاہے قومی کمیشن کی تشکیل دے سکتے ہیں تو اس تناظر میں مرکزی حکومت کو ملک کی چھ ریاستوں (بہار، اترپردیش، دہلی، مغربی بنگال، آندھرا پردیش اور جھارکھنڈ) کی دوسری سرکاری زبان اردو کو قومی سطح پر سرکاری کام کاج کے لیے ایوان بالا کے 21 اور ایوان زیریں کے 10 ممبران پر مشتمل ایک کمیشن کی تشکیل کرنی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ جب ریاست میں اردو دوسری سرکاری زبان ہو سکتی ہے تو ملک کی دوسری سرکاری زبان اردو ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مختیار یوسف نے استدلال کے ساتھ ملک اور قومی یکجہتی کے تعلق سے اردو زبان کے کارناموں کا اعادہ کرتے ہوئے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ آزادی سے قبل سرکاری زبان اردو انگریزی ہی تھی مگر آزادی کے بعد انگریزی زبان کو قبول کر لیا گیا اور ملک کی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کے لیے لازمی اردو زبان نظرانداز کر دی گئی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو زبان کے ساتھ قوم و مذہب کا غلط تصور ختم کرکے اس زبان کو دوسری قومی زبان کا درجہ دینے کے لیے موثر قدم اٹھایا جائے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

سرکاری اسکولوں میں بچے اردو سے محروم

میرٹھ (۲۳ دسمبر)۔ میرٹھ کے پرائمری اور جونیئر سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچے اردو پڑھنے سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ محکمہ تعلیم میں چل رہے اساتذہ کے ایڈجسٹمنٹ سے کافی اسکولوں میں اردو اساتذہ کے عہدے خالی ہو گئے ہیں اور اردو اسکولوں میں اردو زبان کے استاد کم پڑنے لگے ہیں۔ یہ بحران زیادہ تر مسلم اکثریتی علاقوں میں سامنے آیا ہے جس کا خمیازہ بچوں کو اٹھانا پڑ رہا ہے۔

اصولوں کے مطابق اسکولوں میں پڑھنے والے 30 مسلم بچوں پر ایک اردو کا استاد ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی اسکول میں 10 بچے بھی اردو والے ہیں تو ان پر بھی اردو استاد ہونا چاہیے۔ میرٹھ ضلع میں 12 بلاک ہیں۔ ان میں تقریباً 1398 پرائمری اور جونیئر اسکول ہیں۔ شہر کے علاوہ مسلم اکثریتی بلاک ماچھرا کے ایک ہی اسکول میں تقریباً 132 سے لے کر 220 طالب علم ہیں جن میں سے چار پانچ کو چھوڑ کر تمام طلبہ مسلمان ہیں، لیکن یہاں صرف ایک ہی اردو ٹیچر ہیں۔ ذرائع کے مطابق یہ بھی اصول ہے کہ جن اساتذہ کا درجگی میں نام ہے وہ کسی جونیئر اسکول میں اردو نہیں پڑھا سکتے تو ایسے میں جو ایک دو اساتذہ جونیئر اسکولوں میں اردو پڑھا رہے تھے ان کا بھی تبادلہ ہونے کی وجہ سے ان اسکولوں میں ایک بھی اردو استاد نہیں رہا ہے۔ حالانکہ ریاست پروجیکٹ ڈائرکٹر کی ہدایت کے مطابق اگر کسی استاد کو اردو کے عہدے سے ہٹا بھی دیا گیا ہو تو اس کی جگہ دوسرے کی تقرری کی جانی چاہیے۔

میرٹھ ضلع میں چار ہزار مسلم اساتذہ کی تقرری حال ہی میں کی گئی ہے جن میں سے تقریباً پچاس ایسے اساتذہ ایسے ہیں جو ایسے اسکولوں میں پڑھا رہے تھے جہاں زیادہ تر اردو پڑھنے والے ہی طالب علم ہیں، لیکن انھیں ایڈجسٹمنٹ کے نام پر ان اسکولوں میں تبادلہ کر دیا گیا ہے جہاں اردو پڑھنے والے طالب علم ہی نہیں ہیں۔ اردو اساتذہ کا کہنا ہے کہ جن اسکولوں میں وہ اردو پڑھا رہے تھے انھیں واپس انہی اسکولوں میں بھیج دیا جائے تاکہ اردو پڑھنے والے بچوں کا نقصان نہ ہو۔ بیسک تعلیم افسر جیتیندر سنگھ یادو کا کہنا ہے کہ اردو اساتذہ کا مسئلہ باعث تشویش ہے اور جلد ہی اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے مناسب قدم اٹھایا جائے گا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

قلم کار پریشد کے زیر اہتمام سیمینار منعقد

بھوپال۔ غالب کے یوم پیدائش پر قلم کار پریشد نے ۲۷ دسمبر ۲۰۱۲ء کو ڈاکٹر علی عباس امید کی صدارت میں ایک سیمینار کا اہتمام کیا جس کا موضوع تھا 'غالب کی زبان عصرِ حاضر میں'۔ ڈاکٹر کالا یادو نے کہا کہ بولی اور زبان میں فرق ہوتا ہے جبکہ زبان کے ہونے کے لیے رسم الخط کا ہونا لازمی ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز منصوری کا خیال تھا کہ اردو کے ساتھ کبھی بھی انصاف نہیں ہوا، یہ جمہوریت پر سوال کھڑا کرتا ہے۔ ڈاکٹر رضا عابدی کی رائے میں اردو کی حق تلفی شعوری کوشش کا نتیجہ ہے۔ پروفیسر اروند مالویہ کے لفظوں میں زبان کو قوم یا مذہب سے جوڑنا نہ صرف بے انصافی بلکہ ذہنی پستی کا بھی ثبوت ہے۔ صدر جلسہ ڈاکٹر علی عباس امید نے قلم کاروں سے اپیل کی کہ اردو کی ترقی کے لیے اکادمی یا سرکاری اداروں کی طرف دیکھنے کی عادت ترک کریں اور اس کے فروغ کو اپنے مشن کا روپ دیں۔ اردو زبان کے فروغ کے لیے ہم صوبائی کمیٹی تشکیل کر رہے ہیں اور ڈاکٹر کالا یادو کی قیادت میں سرکاری و غیر سرکاری ہر سطح پر سرگرم عمل ہوں گے۔ سکریٹری نسیم قریشی نے لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پریشد کے مرکزی دفتر سے رابطہ قائم کرنے کی گزارش کی۔

(پریس ریلیز قلم کار پریشد بھوپال)

مدنی ویمنس ویلفیئر ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام

مشترکہ تہذیب اور اردو کے موضوع پر ایک روزہ سیمینار

مدنی ویمنس ویلفیئر ایسوسی ایشن (بھونیشور) کے زیر اہتمام ۱۳ دسمبر ۲۰۱۲ء کو ریڈ کراس بھون میں 'مشترکہ تہذیب اور اردو' کے موضوع پر سیمینار منعقد کیا گیا جس کا افتتاح وزیر توانائی جناب ارون کمار ساہو نے کیا۔ اس موقعے پر اردو کے مشہور شاعر جناب خاور نقیب کی وزیر توانائی نے شال اور گلدستے سے پذیرائی کی۔ اس ایک روزہ سیمینار کی نظامت محترمہ ریحانہ خانم نے کی۔ سید علاء الدین (سابق ایڈیشنل اسسٹنٹ آفیسر اردو ایجوکیشن) کے زیر صدارت سیمینار کے دو اجلاس میں پروفیسر کرامت علی کرامت، سعید رحمانی، خاور نقیب، ڈاکٹر اختر حسین شانی، سعید احسن، سید علاء الدین، سید زوالمی ناطق اور مولوی مطیع اللہ نازش وغیرہ نے مذکورہ عنوان پر مقالات پیش کیے۔ سبھی مقالے پسند کیے گئے۔ یہ سیمینار قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) کے اشتراک سے منعقد کیا گیا تھا، جس میں غیر اردو داں افراد نے بھی شرکت کی اور انھوں نے پڑھے گئے مقالوں سے خوش گوار اثرات بھی قبول کیے۔ مہمان کے طور پر ڈاکٹر حسین ربی گاندھی (سابق صدر اڑیسہ ساہتیہ اکادمی) اور Samma انسٹی ٹیوٹ آف اردو ایجوکیشن کے چیئرمین جناب برکت اللہ کے علاوہ دیگر معزز شخصیتوں نے بھی شرکت کی۔

(پریس ریلیز مدنی ویمنس ویلفیئر ایسوسی ایشن، بھونیشور)

اہلیت ٹسٹ میں اردو کو شامل کرنے کی مانگ

ہزاری باغ (۲۳ دسمبر)۔ جھارکھنڈ کے اقلیتی فلاح کے وزیر حاجی حسین انصاری نے وزیر اعلا کو مکتوب ارسال کرکے اہلیت ٹسٹ میں علاقائی زبان کے طور پر اردو کو شامل کرنے کی درخواست کی ہے۔ ساتھ ہی ریاست میں اس معاملے پر سیاسی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں۔ وزیر موصوف نے واضح کہا ہے کہ علاقائی زبان کے طور پر اردو کو شامل کرنے کے بعد ہی امتحان لیا جائے۔ ادھر وزیر تعلیم نے واضح طور پر کہا کہ ٹسٹ کے اشتہار میں کسی بھی طرح کی کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ حکومت چاہتی ہے کہ بی۔ ایڈ پاس امیدوار ہائی پرائمری کلاس 6 سے 8 میں پڑھائیں اور اپنی قابلیت دکھائیں، اس لیے بی۔ ایڈ پاس امیدواروں کو پرائمری کلاسوں میں موقع نہیں دیا جا رہا ہے۔ پرائمری کلاس ایک سے 5 میں بیسک ٹیچرس ٹریننگ پاس امیدواروں کو موقع دیا جا رہا ہے۔ بی۔ ایڈ پاس امیدواروں نے جب تقرر ضابطے میں ترمیم سے متعلق ان سے کئی سوال کیے تو وزیر تعلیم بیچ ہی میں مشتعل ہو گئے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ بی۔ ایڈ پاس امیدوار جواب دہی سے فرار اختیار کر رہے ہیں۔ انھیں ہائی پرائمری کلاسوں کے لیے موقع دیا جا رہا ہے۔ امیدواروں نے سوال کیا کہ اس سے قبل جو اساتذہ تقرر امتحان ہوا اس میں آٹھ ہزار سے زیادہ امیدوار کامیاب ہوئے تھے، وہ پرائمری کلاسوں کے لیے کامیاب ہوئے تھے۔ ان امیدواروں کے ساتھ حکومت ناانصافی کر رہی ہے۔ ادھر اساتذہ تقرر ضابطے میں ترمیم کرنے کی مانگ پر امیدوار اور مختلف طلبہ یونینوں کے ذریعے مخالفت کی جا رہی ہے۔ امیدواروں کی مانگ ہے کہ اگر حکومت پرائمری کلاسوں میں بی۔ ایڈ امیدواروں کو موقع نہیں دیتی ہے تو وہ عدالت جائیں گے۔ وہیں طلبہ یونین نے بھی اہلیت ٹسٹ میں اردو کو شامل کرنے کی مانگ کی ہے۔ جھارکھنڈ اسٹوڈنٹس یونین، اسٹوڈنٹس جاگرن منچ نے بھی مطالبہ کیا کہ اردو زبان کو شامل کیا جائے۔ پرائمری کلاسوں کے لیے ہونے والے ٹسٹ میں زبان 2 میں علاقائی زبان سے 30 نمبر کے سوال پوچھے جائیں گے۔ ایسے میں اردو کو علاقائی زبان میں شامل نہیں کیے جانے سے اردو ٹیچر کے امیدوار کو 30 نمبر کا نقصان ہو سکتا ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

مرثیہ اردو شاعری کی اہم ترین صنفِ سخن: حامد انصاری

نئی دہلی (۲۷ دسمبر)۔ کوئی بھی زبان اپنی تہذیب، ثقافت اور سماج سے الگ تھلگ نہیں ہوتی۔ اس سے تاریخ، فکر اور انفرادی و اجتماعی شخصیت منسلک رہتی ہے۔ اردو شاعری میں مرثیہ ایک ایسی اہم ترین صنفِ سخن ہے جسے ثقافتی معراج کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ جب تک دل کا لگاؤ نہ ہو مرثیہ نہ تو لکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی سنا جا سکتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار نائب صدر جمہوریہ ہند عزت مآب محمد حامد انصاری نے آج ایوان غالب میں عالمی مرثیہ کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے کیا۔ اس موقعے پر محمد حامد انصاری صاحب نے امید کا اظہار کیا کہ اس عالمی مرثیہ کانفرنس سے مرثیہ جیسی اہم صنفِ سخن نہ صرف یہ کہ پھر سے زندہ ہوگی بلکہ مقبولیت بھی حاصل کرے گی۔ اس سہ روزہ مرثیہ عالمی کانفرنس کا انعقاد انجمن ترقی اردو کی دہلی شاخ کے زیر اہتمام غالب انسٹی ٹیوٹ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے کیا گیا۔ کانفرنس کی افتتاحی تقریب کی صدارت پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کی جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے سابق گورنر و سابق مرکزی وزیر سید سبط رضی نے شرکت کی۔ کانفرنس کے مہمان ذکی وقار آئی سی آر کے سابق وائس چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر سید شاہد مہدی تھے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے استقبالیہ کلمات ادا کیے اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب شاہد ماہلی نے اظہار تشکر کیا۔ اس موقعے پر سید سبط رضی نے کہا کہ دور حاضر میں مرثیہ کو سمجھنے کے لیے اس دل کی ضرورت ہے جو جبر کے خلاف آواز اٹھائے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا کہ ہر زبان میں اس کا فکر اور تہذیب ملتی ہے، ہماری گنگا جمنی تہذیب کا فکر اردو ہے اور اردو کی مشہور صنفِ سخن مرثیہ انسانی درد مندی کا لازوال خزانہ ہے۔ کناڈا کے معروف ادیب اور دانشور ڈاکٹر تقی عابدی نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ مرثیہ حقوق انسانی کے تحفظ کا دستاویز ہے۔ عدم تشدد کا پیغام بھی مرثیوں میں ہی ملتا ہے۔ مرثیوں کو امام باڑوں میں قید نہیں ہونا چاہیے، آج کے دور میں ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ سید شاہد مہدی نے کہا کہ مرثیہ میں ہندوستانیت اور سنسکرت کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اس میں سنسکرت کے 9 رسوں میں سے 2 رس 'کرونا رس اور ویر رس' کا اثر زیادہ پایا جاتا ہے۔ کنوینر ڈاکٹر رضا حیدر نے تمام مہمانان کا تعارف پیش کیا۔ اس موقعے پر بزرگ شاعر گلزار دہلوی، پروفیسر علی احمد فاطمی، پروفیسر آذرمی دخت صفوی، پروفیسر ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر ادریس احمد، علیم الدین اسعدی، ڈاکٹر ناشر نقوی، ڈاکٹر مولا بخش، ڈاکٹر عقیل احمد، ڈاکٹر عظیم امروہوی، فاروق ارگلی اور مولانا سید غلام حسین رضوی سمیت بڑی تعداد میں علمی و ادبی شخصیات موجود تھیں۔ افتتاحی تقریب کے آخر میں معروف فن کار استاد اقبال احمد خاں نے سوز خوانی اور بہار وقف بورڈ کے چیئرمین محسن علی معصومی نے مرثیہ خوانی کی، جسے نائب صدر جمہوریہ ہند جناب محمد حامد انصاری نے بہت انہماک اور شوق سے سنا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : شاہد ماہلی: شخص اور جہتیں
مرتب : ڈاکٹر رضا حیدر
ضخامت : ۳۴۴ صفحات
قیمت : ۲۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : معیار پبلی کیشنز، کے-302، تاج انکلیو، گیتا کالونی، دہلی-31
تبصرہ نگار : اطہر فاروقی

شاہد ماہلی کی شخصیت اور خدمات کے مختلف پہلو ہیں۔ وہ دلی کی بزم اردو کا ایک چمکتا ستارہ ہیں۔ مشہور و ممتاز ادیب و شاعر ہیں۔ دلی میں غالبیات کے اہم مرکز غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر، موقر علمی و ادبی جریدہ 'غالب نامہ' کی مجلس ادارت کے رکن اور معیاری ادبی مجلہ 'معیار' کے ایڈیٹر، ماہر سیاسیات، بہت سی اہم کتابوں کے مصنف و مولف، ممتاز ہوبی ہیں اور سب سے بڑھ کر ایک مثالی منتظم۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے انھوں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا لوہا نہ صرف برصغیر ہند و پاک بلکہ دیار مغرب میں بھی منوایا ہے۔ کئی کامیاب قومی اور بین الاقوامی سطح کے ادبی مذاکرے، سیمنار اور کانفرنسوں کا اہتمام کرکے نہ صرف اپنی منفرد شناخت قائم کی بلکہ غالب انسٹی ٹیوٹ کو بھی بام عروج تک پہنچا دیا۔ ملک اور بیرون ممالک میں اردو سے محبت کرنے والا ہر شخص شاہد ماہلی اور غالب انسٹی ٹیوٹ کا نام بڑی عزت و احترام سے لیتا ہے۔

شاہد ماہلی یکم مارچ ۱۹۴۳ء کو اعظم گڑھ کے قصبہ ماہل میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے وطن ہی میں حاصل کی۔ پھر اعلا تعلیم کے لیے وہ گورکھپور چلے گئے جہاں سے انھوں نے بی۔ اے کیا اور پھر آگرہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے (اردو) کی ڈگری حاصل کرکے وہ مرزاپور کے ایک کالج میں لکچرر ہو گئے تھے، لیکن ان کے ذہنی پرواز کو درس و تدریس کا میدان تنگ محسوس ہوا اور وہ نئی بلندیوں کی تلاش میں دلی آگئے، جہاں انھیں شروع میں کچھ دقتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن جلد ہی حالات استوار ہو گئے اور وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے مرکزی دفتر میں شعبہ اردو سے منسلک ہو گئے جہاں کے کاموں میں انکی ایمان داری اور تندہی سے حصہ لیا کہ بہت جلد بڑے بڑے لیڈروں کی نظروں میں آگئے اور شہر کی سیاسی، صحافتی اور علمی حلقوں میں بھی ان کی ایک شناخت بن گئی۔

شاہد ماہلی صاحب جب سے غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ہیں، ان کی انتظامی صلاحیتوں کے معترف نہ صرف مشاہیر اردو ہیں بلکہ عام و خاص ہر اردو والے بھی ہیں کہ ان کی مدت کار میں ادارے نے جتنی ترقی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی یہ کامیابیاں انسٹی ٹیوٹ کے تحقیقی و اشاعتی کاموں، سیمناروں اور دیگر امور میں بھی صاف طور پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب 'شاہد ماہلی: شخص اور جہتیں' شاہد ماہلی کی شخصیت، خاص طور سے ان کی شاعری کی مختلف جہات پر مشتمل مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ مضامین لکھنے والے اردو ادب کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ ان میں سے ہر اہل قلم کا شمار اردو کے صف اول میں ہوتا ہے۔ یہاں کچھ مضمون نگاروں کے صرف نام درج کر رہا ہوں، جس سے قارئین خود اندازہ لگا لیں گے کہ یہ شخصیتیں کس درجے اور رتبے کی ہیں، مثلاً: پروفیسر شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی، جناب ندا فاضلی، ڈاکٹر اقبال مرزا، ڈاکٹر تقی عابدی، ڈاکٹر خلیق انجم، جناب حیدر قریشی اور جناب فیاض رفعت وغیرہ۔

ان قلم کاروں نے شاہد ماہلی کی شاعری کا بہت ہی جامع اور متوازن جائزہ لیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ شاہد ماہلی کا شمار ہمارے ان شعرا میں ہوتا ہے، جنھوں نے شاعری کی مقبول ترین اصناف غزل اور نظم دونوں میں اپنے فکر و خیال کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ بلاشبہ شعری دنیا میں شاہد ماہلی کی ایسی حیثیت ہے کہ ان کے کلام پر مستقل گفتگو ہوتی رہنی چاہیے۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک اچھی کڑی ہے، جس کے لیے کتاب کے مرتب ڈاکٹر رضا حیدر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بہت ہی عمدگی اور سلیقگی سے کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اگلے زمانے کی نفاست اور شائستگی رضا حیدر کی شخصیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ ایک خاص کلچر کے پروردہ ہیں جو اب طاق نسیاں ہو گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اچھا انسان ہی اچھا فن کار ہوتا ہے اور میں بلا تردد کہہ سکتا ہوں کہ شاہد ماہلی صاحب جتنے اچھے ادیب اور شاعر ہیں، اس سے کہیں زیادہ اچھے انسان ہیں۔ خاندانی وضع داری، حلم و مروت اور علمی وقار و وزن اور وژن کے ساتھ وہ انتہائی خلیق، ملنسار اور دوست نواز انسان بھی ہیں۔

کتاب بہت صاف ستھری اور معیاری کمپوزنگ اور طباعت کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔ جس کے لیے میں ایک بار پھر کتاب کے مرتب ڈاکٹر رضا حیدر کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کی اردو دنیا میں خوب پذیرائی ہوگی۔

■◆■

نام کتاب : بصارت سے بصیرت تک
(تحقیقی اور تنقیدی مقالات)
مصنف : پروفیسر محمد علی اثر
ضخامت : ۴۰۰ صفحات
قیمت : ۵۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : کاشانۂ اثر، 20-4-226/9 محبوب چوک، حیدرآباد-۲
تبصرہ نگار : ڈاکٹر زکی طارق

اس جہان فانی میں کچھ لوگ صرف پڑھنے اور لکھنے کے لیے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا رجحان طبع کسی اور طرف راغب ہی نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ نہ ستائش کی تمنا رکھتے ہیں نہ صلے کی پرواہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تحریریں جب لوگوں کی نظر سے گزرتی ہیں تو وہ خود اگر اہل نظر کے ساتھ اہل دل بھی ہوتے ہیں تو خود کو تحسینی کلمات سے نہیں روک پاتے ہیں۔ ایسے ہی پڑھے لکھے لوگوں میں ایک بہت اہم اور قابل ذکر نام پروفیسر محمد علی اثر کا ہے جو نقاد بھی ہیں، مبصر بھی، محقق بھی ہیں اور شاعر بھی، اسی کے ساتھ مولف کی حیثیت سے بھی اپنی علمی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ آپ کی پانچ درجن سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

تحقیقی اور تنقیدی مقالات کی اس کتاب میں جو عنوانات قائم کیے گئے ہیں ان میں جدید و قدیم اہل ادب کی علمی، ملی اور ادبی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مثلاً خواجہ بندہ نواز اردو کے پہلے شاعر، اردو کا پہلا شاعر، اردو کی پہلی تقریظ اور اس کا خالق، اردو کی پہلی نثری تخلیق اور اس کا مصنف، دکنی اردو کا اولین اردو شاعر، مثنوی سیف الملوک اور بدیع الجمال کا مصنف، غواصی آرکاٹی اور اس کے غیر مطبوعہ قصائد، صوفیائے گولکنڈہ کی علمی اور ادبی خدمات، شاہ ابوالحسن قربی اور ان کا غیر مطبوعہ کلام، باقر آگاہ: شخص، شاعر اور نقاد، اردو کے صاحب دیوان رباعی گو نصیر الدین ہاشمی اور دکن میں اردو، ڈاکٹر زور کے تدوینی کارنامے، ڈاکٹر عبدالحق کرنولی کی علمی، تنقیدی اور ادبی خدمات، مسعود حسین خاں بہ حیثیت ماہر لسانیات، اردو شاعروں کا دکنی دور، رائے حسرت سنگھ پرواز لکھنوی، دکنی کا پہلا ادبی مورخ، اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ، دکنی شاعری کی خمریات، تحقیق و تدوین: مسائل اور مباحث، نظیر اکبرآبادی کے واقعات حیات، صدیق اور صلوات صدیق، اقبال متین: شخصیت اور فن کے چند زاویے قابل ذکر عنوانات ہیں جن پر مصنف نے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ روشنی ڈال کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ڈاکٹر رحمت سلطانہ نے مصنف کے بارے میں اپنا اشاریہ قلم بند کیا ہے جس میں پروفیسر موصوف کی جملہ تصانیف کی فہرست کے علاوہ ان کے سوانحی حالات بھی اشارتی طور پر تحریر کیے ہیں، کچھ ایسے جرائد کے خاص نمبروں کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں پروفیسر محمد علی اثر سے متعلق مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ہند و پاک کے علاوہ عالمی انعامات کی بھی ایک طویل فہرست درج کی گئی ہے۔

'تاثرات مشاہیر اردو' کے عنوان کے تحت دو صفحات پر اہل قلم، اہل نظر اور اہل ادب کے طویل مضامین سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں جن میں کچھ مرحوم ہو چکے ہیں اور کچھ بقید حیات ہیں۔ پروفیسر علی محمد اثر نے جو شعری، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی خدمات انجام دی ہیں یقیناً وہ قابل رشک ہیں۔ اثر صاحب نے دکنیاتی ادب پر اپنی علمی بصیرت اور وسیع مطالعے کی بنا پر جس تسلسل اور ناقدانہ شعور سے کام کیا ہے وہ بلاشبہ اردو اسکالرس کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

○○○

بقیہ: اردو کی لسانی اہمیت

صفحہ ۲ سے آگے

کی نفسیات کو خصوصی معاشی تناظر میں رکھنے اور اس سے ہمدردی رکھنے کی ضرورت تو ہے مگر یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ متوسط طبقہ ہی معاشرے کا سب سے زیادہ مفاد پرست طبقہ ہے جو اپنے مفادات کے حصول کی غرض سے فرقہ واریت کو ہوا دینے میں ہمیشہ آگے آگے رہتا ہے۔ اس طبقے کے تضادات کی تاریخ تقریباً ایک صدی پرانی ہے اور اس سے نمٹنے کے لیے زبانوں کے تئیں ایک متوازن رویے اور قومی ضرورت ہے۔

اردو تعلیم کا احیا ان علاقوں میں زیادہ آسان ہے جہاں مسلم آبادی نسبتاً آسودہ اور جہاں ہندو مسلم دوستی کی روایت استوار ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ مہاراشٹر میں اردو تعلیم کی صورت حال حوصلہ افزا ہے مگر جب تک شمال میں اردو تعلیم کے منتشر نظام کا احیا نہیں ہوگا تب تک اردو تعلیم کے مجموعی معیار میں اضافے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ جہاں تک مہاراشٹر کا تعلق ہے تو اطہر فاروقی کے مطابق وہاں اردو تعلیم کو مثالی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بلاشبہ اردو کے فروغ و احیا کے لیے سیاسی جماعتوں اور تہذیبی حلقوں کی مدد سے وسیع پیمانے پر مہم چلانے کے ایک ماڈل کی ضرورت بہرحال ہے جو مہاراشٹر فراہم کرسکتا ہے۔

انتظامیہ کی سطح پر اردو کو رائج کرنے کے لیے ایسے علاقوں کی شناخت کرنے کی ضرورت ہے جہاں اردو آبادی کا قابل ذکر تناسب موجود ہے، مگر اس 'قابل ذکر' کو اعداد و شمار کی تکنیکی بحث میں نہ الجھایا جائے کیوں کہ اردو والے بجا طور پر شاکی ہیں کہ دانستہ ان کی مادری زبان ہندی اسی لیے لکھی جاتی ہے تاکہ وہ قانوناً اردو کے حقوق کے مطالبے کے دعویدار نہ بن سکیں۔

حالات خواہ کتنے ہی نازک کیوں نہ ہوں، اردو والوں کو اپنے تمام مسائل حل کرنے کی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور تلاش ہوگی، مگر یہ سبیل اسی وقت نکل سکے گی جب مسائل مبسوط شکل میں ہمارے سامنے ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ قومی کونسل کا تجوزہ سروے اس سمت میں اہم پیش رفت کا حامل ہوگا۔

زبانوں کے عمومی مسائل کا حل تلاش کرنے اور ثقافتوں کے ذریعے کثرت میں وحدت قائم کرنے کے بعد ہی ہندستان واقعتاً جمہوری ملک کہلانے کا دعویدار ہوسکتا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ: ارجمند آرا)

●◆●

بقیہ: نظیر اکبرآبادی: نئی شعریات اور....

صفحہ ۳ سے آگے

زبان کی مشاقی میں خود نظیر نے ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس اعتبار سے بھی انھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

لطف الرحمن کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ نظم نگاری کی پوری جمالیاتی روایت میں نظیر تنہا رنگ کا تنہا شاعر ہے۔ اس کے بعد اردو شعرا میں قلندرانہ طرز حیات کا حامل کوئی دوسرا شاعر نہیں گزرا۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر مخصوص طرز و احساس کا واحد شاعر ہے جو اس روایت فن کا موجد بھی ہے اور خاتم بھی۔" ('نظیر تنہا رنگ کا تنہا شاعر'، مطبوعہ 'غالب نامہ' نئی دہلی، جنوری ۲۰۱۰ء، ص۱۳۳)۔ لطف الرحمن کے مندرجہ بالا قول کو مزید وسعت دے کر راقم الحروف یہ کہنا چاہے گا کہ صرف اردو تو کیا ہندستان کی کسی بھی علاقائی زبان یا ساری دنیا کی کسی بھی زبان کے کسی بھی شاعر کو نظیر اکبرآبادی کے مقابلے میں کھڑا نہیں کیا جاسکتا اور ان کا ہم پلہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

⊙⊙⊙

بقیہ: ماہنامہ 'دوام' ٹانڈہ کا ایک تعارف

صفحہ ۸ سے آگے

ماہر القادری کی نظم 'نواے سروش'۔ عارف عباسی، عروج زیدی، افگر مشتاق رحیم آبادی، کوثر اعظمی اور مائل خیرآبادی کی غزلیات۔ یہ سلسلہ صفحہ ۳۶ پر ختم ہوا۔

ص ۳۷: پیشانی 'دامن گلچیں' کے تحت بعنوان 'انتخاب' تاج اورنگ آبادی، کیف ٹوکاٹوی، عبداللہ عاطف، ایم اے ولی حسینی، لئیق عالم لئیق اور احمد مقبول کی غزلیات کا انتخاب۔ یہ سلسلہ ص۳۹ پر ختم ہوا۔

ص ۴۰: پیشانی پر 'درون خانہ' کے تحت خالدہ یاسمین کا مضمون 'خواتین اور ہماری زبان'۔ نمونۂ عبارت:

"اس بات میں کسی کو کلام نہیں ہوگا کہ ہر زبان و ادب کی سلامتی و سلامت روی میں خواتین کا بڑا حصہ رہا ہے۔ تہذیبیں اور زبانیں انھیں کے آغوشِ تربیت میں پروان چڑھی ہیں۔ یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتی کہ عورتیں سیف و قلم کے میدان میں مردوں سے آگے نکل گئی ہیں یا ان کی علمی و ادبی خدمات مردوں سے زیادہ گراں قدر ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عورتوں ہی نے ان شخصیتوں کی بنیاد رکھی ہے جو آگے چل کر شعر و ادب اور علم و تہذیب کے لیے سرمایۂ افتخار بنیں۔ چناں چہ اس صدی کے ایک گنے چنے مرد مسلماں ڈاکٹر اقبال بھی اعتراف فرماتے ہیں کہ:

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں"

ص ۴۳: پیشانی پر 'نقد و نظر' کے تحت شبنم سبحانی کا وصی اقبال کے ناول 'گھر ہونے تک'، عروج زیدی کے مجموعۂ کلام 'ول لخت لخت'، تاج اورنگ آبادی کے مجموعۂ کلام 'آئینۂ احساس' پر تبصرہ۔ یہ سلسلہ نصف صفحہ ۴۶ پر ختم ہوا۔ باقی نصف پر ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی کتاب 'اسلامی ادب' کا اشتہار۔

ص ۴۷: پیشانی پر 'طب و صحت' کے تحت ڈاکٹر عباد احمد انصاری کا مضمون 'چیچک'۔

ص ۵۰: مضمون 'چیچک' ختم ہوا۔ باقی صفحہ پر اودھ مل اسٹورس ٹانڈہ (فیض آباد) یوپی اور متین میڈیکل اسٹور رب گنج، فیض آباد کے اشتہارات۔

ص ۵۱: پیشانی پر 'فن اور ہنر' کے تحت 'کام کی بات' کے زیر عنوان: ۱- گھر کے چھوٹے چھوٹے کام خود کیجیے ۲- بیکار چیزیں بیکار نہیں ہیں ۳- آپ کے گھر میں آپ کا کارخانہ---- نہایت مفید اور کار آمد مشورے۔

ص ۵۲: پیشانی پر تاثرات قارئین کے تحت بعنوان 'خوب..... ناخوب' قارئین 'دوام' کے تاثراتی خطوط۔ قارئین کے اسما: ماہر القادری مدیر 'فاران' کراچی، پروفیسر ابوذر عثمانی رانچی، ڈاکٹر سلطان احمد بنارس، شمیم شیخ صدیقی احمد آباد، جمال احمد ٹانڈہ، متین جمال سکراول، ڈاکٹر عبدالحق انصاری شانتی نکیتن، عباس نیازی ناندیڑ، صبغت اللہ باشا ... آندھرا، قاضی دہانوی احمد آباد، سید جمیل احمد بستی، افگر مشتاق رحیم آبادی۔

ص ۵۶: قارئین کے خطوط نصف صفحے پر ختم ہوئے۔ باقی نصف صفحے پر م۔ نسیم کے طنزیہ خاکوں اور پیروڈیوں کا (آدھا) مجموعہ 'آدمی کتاب' کا اشتہار۔

ٹائٹل صفحہ: آخری اور اندرونی۔ بزبان انگریزی نرخ اشتہارات اور دوام کے متعلق ٹیکنیکل معلومات۔ یہ بزبان انگریزی مجلس انتظامیہ دوام کی جانب سے مشتہرین کے لیے خوش حالی اور کامیابی کی دعا۔

آخری اور خارجی۔ انگریزی میں 'دوام' کا رجسٹریشن نمبر L-821، ماہ و سال اور پتا۔ اس کے نیچے اردو اور ہندی میں ڈاکٹر عباداللہ انصاری ٹانڈہ یوپی کے اسپتال کا اشتہار۔ اس کے نیچے حاجی میڈیکل ہال ٹانڈہ (فیض آباد) یوپی کا اشتہار۔

ماہنامہ 'دوام' کی شفاف پانی کی علمی و ادبی روانی کی اس ندی میں اسلامی اقدار کی لبِ تشنگانِ فہم و دانش کو سیراب کرتی ہے۔ موجودہ پیشہ ورانہ صحافتی ماحول میں ماہنامہ 'دوام' خالق علم و ادب کا ایک روشن چراغ کی طرح نظر آتا ہے۔ آج بھی اس ماہنامے کی بازیافت اور اتباع خالی از افادہ نہیں ہوگی۔

✦✦✦✦✦

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

راس مسعود	حکیم سید ظل الرحمن	۲۵۰/=
صریر خامہ	ڈاکٹر عابداللہ غازی	۱۵۰/=
انسانیت	ڈاکٹر عابداللہ غازی	۱۶۰/=
ناکمل	اطہر فاروقی	۲۲۰/=
سیرت فریدیہ (سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں اور دیگر افراد خاندان کے حالات)		
	مصنف: سرسید احمد خاں، مرتب: خلیق انجم	۱۵۰/=
ہندستان میں اردو سیاست کی تفہیم نو	اطہر فاروقی	۲۶۰/=
انقلاب: ایک تاریخ ایک تہذیب کی کہانی	عابداللہ غازی	۸۵/=
بلیک آؤٹ (ماورائی آفاق کی پہلی طویل ڈرامہ)	ڈاکٹر مظفرالدین فاروقی	۱۲۰/=
دوکان شیشہ گراں (کتابیں اور لوگ)	شمیم حنفی	۲۰۰/=
دہلی کے محاورے	سید ضمیر حسن دہلوی	۱۰۰/=
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا	خلیق انجم	۲۳۰/=
سن ستاون کی دلی اور بہادر شاہ ظفر	اسلم پرویز	۱۵۰/=
آزاد ہندستان میں اردو زبان تعلیم اور صحافت	اطہر فاروقی	۱۷۰/=
ہندستان میں فکری و تہذیبی اصلاح کا آغاز اور ماسٹر رام چندر		
	صدیق الرحمن قدوائی	۱۸۰/=
The Court of Indar [اندر سبھا] (سید آغا حسن امانت)		
	افروز تاج	۳۰۰/=
اردو ہے جس کا نام (رباعیات کا مجموعہ)	امیر چند بہار	۱۱۰/=
پریم چند گھر میں (شورانی دیوی)	مترجم: سید حسن منظر	۲۰۰/=
ادب کی سماجیات: تصور اور تعبیر (منیجر پانڈے)	مترجم: سرورالہدیٰ	۲۰۰/=
دہلی کے مسلمان دانشور (انیسویں صدی) مصنف: مشیرالحسن		
	مترجم: مسعودالحق	۲۲۵/=
گفتگو ان کی	اطہر فاروقی	۱۵۰/=

ماہنامہ 'دوام' ٹانڈہ (فیض آباد) یوپی کا ایک تعارف

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب (۷۳- پھول والان، بریلی-۲۴۳۰۰۳)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اپنی گراں قدر تصنیف 'سخن ہائے شبلی سخنوروں کی نظر میں' بھیجی تھی جس کا میں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا اور ایسے اعلا معیار کے علمی کام پر داد دی۔ اسی کتاب میں سخنورانِ شبلی کے ضمن میں شبنم سبحانی کے متعلق یہ عبارت پڑھ کر "ایک زمانے میں اُن کا رسالہ 'دوام' جو انھوں نے اپنے وطن ٹانڈہ سے نکالا تھا، بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا" (ص ۳۱۷) تقریباً 45 سال پرانی یاد تازہ ہوگئی۔ میں خود بھی یہ رسالہ بڑے شوق سے پڑھتا تھا اور معاً ردعمل یہ ہوا کہ اپنے یہاں رسائل کے انبار میں سے 'دوام' کے سات شمارے برآمد کرلیے جن کی تفصیل یہ ہے: فروری، مارچ، جولائی، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۸ء، فروری، مئی ۱۹۶۹ء۔ ان میں فروری ۱۹۶۸ء کے شمارے پر اندراج "دوسرا شمارہ، دوسرا سال" کے مطابق 'دوام' کی اشاعت کا آغاز جنوری ۱۹۶۷ء میں ہوا تھا۔ معلوم نہیں اس کی اشاعت کب بند ہوئی اور کل کتنی تعداد میں رسائل شائع ہوئے۔ اغلباً اس رسالے کا اشاریہ بھی شائع نہیں ہوا اور اب جملہ رسائل کی عدم موجودگی میں اشاریہ ممکن بھی نہیں ہے۔ تاہم اس رسالے کے بلند معیار کو دیکھتے ہوئے اس کو متعارف کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا فروری ۱۹۶۸ء کے شمارے کا تعارف مندرجہ ذیل ہے:

سائز: لمبائی ۲۱ سینٹی میٹر، چوڑائی ۱۴ سینٹی میٹر۔ تعداد اوراق: ۵۶۔

ٹائٹل صفحہ: کاغذ دبیز۔ نصف سرخ، نصف کتھئی۔ بالائے صفحہ سفید خانے میں یہ عبارت: 'مستند اور تعمیری قدروں کا علمبردار'۔ زیرِ صفحہ قیمت 65 Paise۔ اندرون صفحہ اشتہارات۔

صفحہ۱: درمیان میں ماہنامہ دوام۔ پیشانی پر اقبال کا یہ شعر:

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

شعر کے نیچے یہ عبارت:

مطالعۂ حیات۔ انعکاسِ حیات۔ رہنمائیِ حیات
ادب میں مستند اور تعمیری قدروں کا علمبردار۔

پائیں صفحہ: دوسرا شمارہ فروری ۱۹۶۸ء۔ دوسرا سال۔ زیرِ عبارت بالترتیب قیمت ایک شمارہ ۶۵ پیسے۔ ایک سال (۱۲ شمارے) ۷ روپے۔ خط و کتابت اور ترسیلِ زر کے لیے پتہ دفتر ماہنامہ دوام، ٹانڈہ (فیض آباد) یوپی۔

صفحہ۲: پیشانی پر جلی حروف میں ترتیب۔ اس کے نیچے ضمنی عنوانات، موضوعات اور اسمائے مصنفین۔ پائیں ترتیب دینے والے افتخار احمد مظاہری (مسئول) شبنم سبحانی (معاون)۔ اس سطر کے نیچے طابع و ناشر افتخار احمد مظاہری۔ مقام اشاعت ٹانڈہ۔ مطبع نامی لکھنؤ۔

صفحہ۳: اداریہ بعنوان حرفِ آغاز۔ اداریہ کی مندرجہ ذیل عبارت کی حرارت ۴۴ سال گزرنے کے بعد آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے:

"یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ خود یوپی میں جو اردو کا مولد و مسکن رہا ہے اور جہاں ایک ایک شہر اور ایک ایک قریہ سے اردو کی کتنی حسین روایات اور رنگین خواب وابستہ ہیں، آج وہیں اُسے علاقائی زبان کا بھی درجہ حاصل نہیں۔ جس محل میں اس کی حکمرانی تھی آج اسی محل میں اُسے باندی کا مقام بھی حاصل نہیں ہورہا ہے۔ ملک کی ہر زبان اپنا ایک آشیانہ اور ٹھکانہ رکھتی ہے مگر اردو کو بڑی دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ خود اسی کے گھر سے بے گھر کیا جارہا ہے... چناں چہ اردو کو بچانے کا واحد طریقہ یہی نظر آرہا ہے کہ ہم ایسے وسیلے اور طریقے اختیار کریں کہ کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ بچوں اور ان پڑھ بالغوں کو اطمینان بخش حد تک اردو پڑھانے اور لکھانے کا بندوبست کریں۔ ہر بستی اور ہر قریہ میں زیادہ سے زیادہ ایسے مکاتب اور اردو میڈیم اسکول ہم سب اردو نواز مل کر قائم کریں جس میں ابتدائی اور اگر ممکن ہو تو ثانوی تعلیم کا انتظام اردو میں کیا گیا ہو..."

صفحہ: پیشانی پر 'اپنی اپنی' کے تحت پروفیسر رشید احمد صدیقی کا [illegible] خطبہ بعنوان 'جدید شاعری' جو انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں پیش کیا تھا۔ بطور نمونہ یہ عبارت:

"اردو میں جدید شاعری، افسانہ نگاری اور تنقید زیادہ تر ناسازگار حالات، بیزاری اور برہمی کا اظہار ہے۔ اس بیزاری و برہمی نے اب تک جو ادبی سرمایہ اور نمونہ پیش کیا ہے وہ مقدار کے اعتبار سے جتنا زیادہ ہے، معیار کے اعتبار سے اتنا ہی ہلکا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ بغاوت یا تو مخلصانہ نہ تھی یا اس کے علمبرداروں میں شعر و ادب کو صحیح خطوط پر لے جانے اور رکھنے کی صلاحیت نہ تھی... انھوں نے اس کا لحاظ کیا کہ شعر و ادب میں اصلاح آبرو ریزی سے نہیں عرق ریزی، حسن کاری اور حسن آفرینی سے کی جاتی ہے... غزل نے اردو شعر و زبان اور شعر و ادب کو ہمسایہ زبانوں میں ممتاز بنانے اور اس کو ناقابلِ تسخیر کردینے میں جو حصہ لیا ہے اور ترقی پسند ادب کی یلغار کو پسپا کرنے اور ناکام بنانے میں جو رول ادا کیا ہے اس سے انکار کرنا مشکل ہے... اکبر کے کلام کا مطالعہ لیاقت اور ایمانداری سے کریں تو معلوم ہوگا کہ ترقی پسند تحریک سے بہت پہلے اکبر نے جو بات جس موقعے پر جس طرح کہہ دی اور اس کا جیسا اثر جن ناساعد حالات کے باوجود ہوا وہ اردو میں بے مثل ہے۔"

صفحہ۱۲ کے نصف پر [illegible] خطبہ ختم ہوا۔

ص ۱۳: پیشانی پر 'فکر و نظر' کے تحت فروغ احمد کا مضمون 'ادبی رجحانات اور انداز نظر'۔ بطور نمونہ یہ عبارت:

"اب خواہ حسن کلام ہو یا کلام حسین اور حسن خواہ تناسب کا نام ہو یا محض ایک تجریدی تصور لیکن اس لمبی بحث کو چند الفاظ میں یوں سمیٹا جاسکتا ہے کہ جو بات زیادہ سے زیادہ بھلے آدمیوں کو بھلی معلوم ہو وہ ادب ہے۔ اس کے بعد صرف اپنے اپنے ذوق اور ظرف اور اپنے اپنے انداز نظر کی بات رہ جاتی ہے..."

ص ۱۸: فروغ احمد کا مضمون ختم ہونے کے بعد اس صفحے کی پیشانی پر 'چیدہ چیدہ' کے تحت دیباچہ 'مرقع چغتائی' سے ایک اقتباس بعنوان 'آرٹ اور زندگی' (اقبال کی نظر میں)۔ بطور نمونہ یہ عبارت:

"کسی قوم کی روحانی صحت کا دار و مدار اس کے شعرا اور آرٹسٹ کی الہامی صلاحیت پر ہوتا ہے... جو آرٹسٹ زندگی کا مقابلہ کرتا ہے وہ انسانیت کے لیے باعثِ برکت ہے..."

ص ۱۹: پیشانی پر 'شعر و نغمہ' کے تحت سہیل احمد زیدی کی نظم 'صبح سرراہ'۔ عروج قادری کی نظمیں 'تین لاشیں' اور 'رشتے کی دیوار'۔ شعر و نغمہ کا سلسلہ ص ۲۲ پر ختم ہوا۔

ص ۲۳: پیشانی پر 'نقش و نگار' کے تحت دھرو چندر جیسوال کے افسانے کا ترجمہ جمال احمد کے قلم سے بعنوان 'رشتے کی دیوار'۔

ص ۳۳: پیشانی پر 'سوز و ساز' کے تحت

(بقیہ صفحہ ۲ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: شمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org